دیدہء بینا بانٹتا ہوا شخص

زندگی کے کوریڈور میں سے گزرتے ہوئے بہت سے لوگ نظر آتے اور ملتے ہیں۔ اپنی اپنی مصروفیت کی انگلی تھامے، اپنے اپنے مسائل کی گرہیں کھولتے، ذات کی الجھنوں کے سرے تلاش کرتے ہوئے۔ اور زندگی کا کارواں جب دورِ طالب علمی سے گزرتا ہے تو یہ دوڑ اور بھی تیز ہوتی ہوئی دکھائی دینے لگتی ہے۔ داخلہ ہو جانے کی پریشانی، داخلے کے بعد گریڈ کی ہر وقت لٹکتی ہوئی تلوار، امتحان کی ٹینشن۔ الغرض بظاہر بے فکر نظر آنے والا ایک طالب علم کئی پریشانیوں کا ایک مکمل پیکیج ہوتا ہے۔ اور اس پر مستزاد اگر وہ طالب علم یا طالبہ کسی معذوری کے ساتھ ہو تو یہ پریشانیاں دو آتشہ ہو جاتی ہیں۔ کہیں سیڑھیاں ایک خوفناک سوالیہ نشان بننے لگتی ہیں تو کہیں وہیل چیئر کے لئے دوسری منزل پر مارکیٹنگ کی کلاس میں لفٹ کے بغیر جانا ناممکن ہے۔ ایسے میں بھلا کوئی اپنی ذات کے گرداب سے کیسے نکل سکتا ہے؟ آنکھ اپنے سواد دیکھ ہی کیا سکتی ہے؟ اپنے مسائل سے آگے سجھائی دے بھی تو کیسے؟

انہی گونا گوں الجھنوں کے حل تلاش کرتا ایک شخص آگے بڑھتا ہے اور ایک ایک کر کے وہ تمام کانٹے رستے سے ہٹانے لگتا ہے جو ایک وہیل چیئر پر بیٹھی ایم بی اے کی طالبہ کو درپیش تھیں۔ بہت تھوڑے عرصہ میں ہی وہ یو ایم ٹی جو لفٹ اور ریمپ نہ ہونے کی وجہ سے مشکلات کا انبار تھی، اپنائیت کی گھنی چھاؤں لگنے لگی۔ ابتدائی مراحل کی آسانی کے بعد وہ مراحل آئے جہاں اکاؤنٹنگ اور کارپوریٹ فنانس کا ڈراؤنا خواب شب و روز کو حساب کتاب سکھانے لگا، بزنس ریسرچ کے تقریبا جان لیوا دورے پڑنے لگے، سٹریٹیجک مارکیٹنگ کے فائنل ٹرم جیسے عذاب آفریں واقعات وقوع پذیر ہونے لگے۔ ان دنوں کی یادیں گریڈز کی دوڑ اور سی جی پی اے کی جہدِ مسلسل سے عبارت ہیں۔ تمام Batchmates اس خرابیء حالات کے عینی شاہد بھی ہیں اور ہم سفر بھی۔

لیکن یہی مشکلات آنے والے دنوں کی معمار تھیں جن سے گذار کر یو ایم ٹی نے مجھ جیسے خام مال کو زندگی کے معنی سمجھائے۔ مشکلات کے پہاڑ میں سے مثبت نتائج اخذ کرنے کا ہنر دیا۔ اپنے حقوق کے شعور کے ساتھ ساتھ معاشرہ کے بہتے دھارے میں اپنا حصہ ڈالنے کا فرض بھی چپکے سے میری زنبیل میں ڈال دیا اور اپنے وجود کو معاشرہ کا ایک کارآمد شہری بنانے کا ذوق اور جنون بھی یوں دان کر دیا کہ اپنے ذاتی مسائل کہیں پس پردہ جا چھپے اور انہی مسائل کو اپنی طاقت بنا کر جینا آ گیا۔ وہ مسائل اب بھی ہر رستے میں موجود ہیں لیکن دیکھنے والی آنکھ اب انہیں ایک اور زاویے سے دیکھنے لگی ہے، ان میں سے دوسروں کے لئے آسانیاں کشید کرنے لگی ہے، ان کے حل تلاش کرنے لگی ہے۔ باہر کی دنیا دکھائی دینے لگے تو اپنی ذات کے دائرے چھوٹے ہوتے جاتے ہیں۔

صاحبِ نظر کی صحبت میسر آئے تو وہ زمان و مکاں کو اجال دیتی ہے۔ حسن صہیب مراد کو بھی یہی صحبت میسر آئی اور انہوں نے نظر کے اس ورثے کو پوری ایمانداری کے ساتھ سنبھالا اور آگے منتقل کیا۔ صحبت ایک لمحے کی ہو یا روز و شب کی، یکساں ثمر آور ہوتی ہے۔ اس کے لئے ملنا شرط نہیں، قطار میں کھڑے ہونا، موجود ہونا ہی کافی ہے۔ دو کمروں کے ILM سے آغاز کر کے یو ایم ٹی اور دوسرے کئی اداروں کا ایک سلسلہ نظر کے اسی فیض کا کرشمہ ہے۔ فیضانِ نظر کا یہ جھرنا اداروں کی شکل میں ہی تو بہتا ہے۔ جب بھی حسن صہیب مراد کی ادارہ ساز شخصیت کی بات ہوتی ہے مجھے اپنے استادِ محترم ڈاکٹر نوید یزدانی کی کلاس میں دی ہوئی ایک نصیحت یاد آتی ہے کہ حسن صہیب مراد کے سامنے